توحید اسماء وصفات کے بارے میں سلف صالحین کا عقیدہ اور اس باب میں چند اصطلاحات کی وضاحت

مختار احمد محمدی مدنی

اس بات کا عقیدہ رکھنا کہ اللہ کے بے شمار نام وصفات ہیں جو قرآن کریم اور سنت صحیحہ میں بیان کئے گئے ہیں:

نہ ان کی غلط تاویل کی جائے گی۔ اور نہ ہی ان کا انکار کیا جائے گا۔ اور نہ ہی ان کی کیفیت بیان کی جائے گی۔ اور نہ ہی مخلوق سے ان کی مماثلت اور تشبیہ دی جائے گی۔ اسے توحید اسماء وصفات کہا جاتا ہے۔ دلیل اللہ کا یہ ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (سورۃ الشوری:۱۱) یعنی: ''اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے''۔

اس آیت میں اللہ نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ اس جیسی کوئی چیز ہو، ساتھ ہی یہ ثابت کیا ہے کہ وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے، یہی سلف صالحین یعنی صحابہ تابعین وتبع تابعین اور ان لوگوں کا منہج ہے جو نبی کریم ﷺ کے طریقے پر ہیں، قرآن وحدیث میں اللہ کے جو نام وصفات بیان کئے گئے ہیں ان پر ایمان لاتے ہیں، نہ ان کا انکار کرتے ہیں اور نہ ہی مخلوق سے مماثلت وتشبیہ دیتے ہیں، اور نہ ہی ان کی کوئی کیفیت بیان کرتے ہیں، یہی سلف صالحین کا منہج ہے اور اسی منہج کے اپنانے میں نجات ہے، اور ان کے طریقے کو چھوڑ دینا ضلالت ہے۔

اللہ کے بے شمار نام ہیں، جو اللہ کے شایان شان ہیں، البتہ ان ناموں میں سے ننانوے نام اگر کوئی یاد کرتا اور ان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اس کے لئے جنت کی بشارت ہے۔ (صحیح بخاری)

اللہ عزوجل کے چند اسماءِ حسنی :**الرحمن، الرحيم، القاهر، القادر، السميع، البصير، القدوس، العليم، الملك، السلام، العزيز** .

اللہ کے یہ مبارک نام صرف نام نہیں ہیں جو معانی وصفات سے خالی ہوں بلکہ یہ مبارک نام اہم معانی اور عظیم صفات پر بھی دلالت کرتے ہیں، اللہ کا ہر نام، صفت پر دلالت کرتا ہے جیسے رحمٰن اور رحیم صفت رحمت پر دلالت کرتے ہیں، سمیع، سمع (سننے) اور بصیر، بصر (دیکھنے) علیم، علم، اور کریم، کرم (جود وسخاوت) خالق، خلق (پیدا کرنے) پر اور رزاق، روزی دینے پر دلالت کرتا ہے۔ دیگر ناموں کی مثالیں بھی اسی طرح ہیں۔

<u>اللہ عزوجل کے صفات عالیہ کی چند مثالیں:</u>

العلو (بلندی) **السمع** (ہر چیز کا سننا) **البصر** (ہر چیز کا دیکھنا) **القدرة** (ہر چیز پر قدرت رکھنا)

ایسے ہی ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کا چہرہ ہے، دلیل اللہ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (سورۃ الرحمٰن:۲۷) یعنی: ''اور تیرے رب کا چہرہ جو عزت وبزرگی والا ہے باقی رہنے والا ہے''۔

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کے شایان شان دو ہاتھ ہیں، اس کی دلیل اللہ کا یہ ارشاد ہے: ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ (سورۃ المائدۃ:۶۴) یعنی: ''اللہ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے''۔

اسی طرح اللہ کے شایان شان اس کی دو حقیقی آنکھیں ہیں، دلیل اللہ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا﴾ (سورۃ ہود:۳۷) یعنی: ''(اے نوح) ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے کشتی بناؤ''۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: (**حجابه النور لو كشفه لأحرقت سبحات وجهه ماانتهى اليه بصره من خلقه**) (صحیح مسلم)

ترجمہ: ''اللہ کا پردہ نور ہے اگر اسے ہٹادے تو اس کے چہرے کی تجلیاں تا حد نگاہ اس کی مخلوق کو جلا کر خاک کر دیں''۔

سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ کی دو حقیقی آنکھیں ہیں اس کی تائید نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو آپ ﷺ نے دجال کے بارے میں فرمایا: (**إنَّهُ أعوَرُ وَرَبُّكُم لَيسَ بِأعوَرَ**) (متفق علیہ) ''دجال کانا (ایک آنکھ والا) ہے اور تمہارا رب اس عیب سے پاک ہے''۔

یہ اللہ عزوجل کی کچھ صفات بیان کی گئی ہیں ورنہ اللہ تعالی کے جس طرح بے شمار نام ہیں اسی طرح اس کے شایان شان بے شمار بلند وبالا صفات ہیں۔

اللہ کے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ کے بارے میں سلف صالحین کا عقیدہ و منہج:

۱/ سارے اسماء وصفات پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کچھ پر ایمان اور کچھ کا انکار یہ منہج سلف نہیں بلکہ اہل بدعت وضلالت کا شیوہ وعمل ہے۔

۲/ اللہ کے تمام نام وصفات توقیفی ہیں یعنی ان کا دارومدار کتاب وسنت صحیحہ پر ہے' اپنی طرف سے نہ اللہ کا کوئی نام رکھنا جائز ہے اور نہ ہی کوئی صفت۔

۳/ اللہ کے سارے نام وصفات حقیقی ہیں اور اس کے شایان شان ہیں۔ جس طرح اللہ تعالی اپنی ذات میں اکیتا ہے اسی طرح صفات میں بھی اکیتا ہے۔

۴/ اللہ کے نام وصفات کے معانی ہیں البتہ ان کی کیفیت کا ہمیں علم نہیں' اگر کوئی ان کی کیفیت بیان کرتا ہے تو وہ اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے' اسی طرح اگر کوئی اللہ کے نام وصفات پر ایمان تو رکھتا ہے لیکن ان کے معانی کو اللہ کے سپرد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان نام وصفات کے معانی ہمیں نہیں معلوم' تو وہ بھی گمراہ اور سلف صالحین کے منہج پر نہیں ہے۔

۵/ اللہ کی صفات کی کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

لہذا: اگر کسی نے اللہ کے کسی ثابت شدہ نام یا صفت کا انکار کیا' یا اپنی عقل سے اللہ تعالی کا کوئی ایسا نام یا صفت بیان کیا جو قرآن وحدیث میں نہیں ہے' یا اللہ کے نام یا صفت کی کسی مخلوق سے مماثلت یا تشبیہ دی' یا ایسا معنی بیان کیا جس کی کتاب وسنت صحیحہ میں کوئی دلیل نہیں ہے یا ان نام وصفات کے معانی کو اللہ کی طرف تفویض کیا' یا ان کی کیفیت بیان کی' تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھا' اور سلف صالحین کے راستہ کو چھوڑ کر اہل بدعت کے راستہ کو اپنا لیا' ارشاد باری تعالی ہے ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللهِ كَذِبًا﴾ (سورۃ الکہف: ۱۵) یعنی: ''اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے''۔

اب آیئے اس باب میں چند اصطلاحات کی وضاحت کی طرف:

(۱) **تحریف کا معنی**: اس کا لغوی معنی ہے بدلنا' ہیر پھیر کر دینا۔

اصطلاحا: لفظ میں کمی زیادتی یا اس کے معنی میں تبدیلی اور ہیرا پھیری کو تحریف کہا جاتا ہے۔

یہ یہودیوں کی صفت ہے اللہ نے اس کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُواْ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِه﴾ (النساء: ۴۶)

یعنی: یہود کلمات کو ان کی اصلی جگہ سے بدل دیتے ہیں۔

تحریف کی دو قسمیں ہیں: اَ) لفظی تحریف: یعنی لفظ میں کسی حرف کی زیادتی یا کمی کر دینا یا شکل میں تبدیلی کر دینا: عام طور پر اس کا وقوع نہیں ہوتا' البتہ ایک حرف کی کمی زیادتی بھی معنی کو مکمل بدل دیتی ہے' بلکہ حرکت بدل جانے سے پورا معنی بدل جاتا ہے۔

اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کی قوم بنو اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ وہ حطۃ کہتے ہوئے مبارک سرزمین میں داخل ہو جائیں' حطہ کا معنی ہے کہ ہم اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں' یہ کہنے کے بجائے وہ حنطۃ کہنے لگے' ایک حرف زیادہ کر دیا جس سے اس کا معنی مکمل طور پر بدل گیا' اس کا مطلب یہ ہو گیا کہ ہمیں گیہوں چاہئے۔

اللہ کا ارشاد ہے ﴿وَكَلَّمَ اللّهُ مُوسَى تَكْلِيماً﴾ (النساء: 164)

اللہ کی صفت کلام کے بعض منکرین محرفین نے لفظ الجلالۃ اللہ کو مرفوع پڑھنے کے بجائے نصب پڑھا تاکہ اللہ کی صفت کلام کا انکار کر سکیں' اور کہا کہ اللہ نے کلام نہیں کیا بلکہ موسی نے اللہ سے کلام کیا۔ لیکن سورۃ الأعراف آیہ نمبر ۱۴۳ کا کیا جواب ہوگا ﴿وَلَمَّا جَاء مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّه﴾ یعنی: (اور جب موسی ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا) اس میں رب کو تو کسی بھی صورت میں منصوب نہیں پڑھا جا سکتا۔

ب) معنوی تحریف: لفظ میں تبدیلی کے بغیر باطل معنی بیان کرنا یا باطل معنی مراد لینا: اہل بدعت کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے جبکہ سلف صالحین اور ان کے عقیدہ ومنہج کو اپنانے والے اس سے بری اور پاک ہیں الحمد للہ۔ اہل بدعت اپنی اس تحریف کو تاویل وتطبیق کا نام دیتے ہیں' یقیناً وہ تاویل ہے لیکن غلط تاویل' کیونکہ تاویل کی دو قسم ہے صحیح تاویل جو سلف صالحین کے فہم اور ان کے قول کے مطابق ہو' اور غلط وناجائز تاویل: جو فہم سلف کے خلاف اپنی عقل ومزاج کے مطابق ہو لہذا وہ جائز تاویل نہیں بلکہ صحیح معنی کی مکمل تبدیلی اور تحریف ہوتی ہے' اگر اہل بدعت کی خودساختہ تاویل کو صحیح تاویل مان لیا جائے تو دنیا میں تحریف کا وجود ہی نہیں ہوا' نہ اہل کتاب یہود ونصاری نے کبھی تحریف کی اور نہ ہی کسی اور کا فرقوم وملت نے۔

تحریف معنوی کی بے شمار مثالیں ہیں' حقیقت یہ ہے کہ اہل بدعت وضلال کا دین ہی اسی پر قائم ہے۔

قرآن وحدیث میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے یدین ہیں (یعنی اس کے دو حقیقی ہاتھ ہیں) اہل بدعت کہتے ہیں کہ یدین کا معنی قوت اور نعمت کے ہے' اسی طرح اللہ کی دو حقیقی آنکھیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ آنکھوں سے مراد اللہ کی حفاظت ونگہبانی ہے' یہ سب معنوی تحریف کی مثالیں ہیں۔

اسی طرح وہ آیات جن میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے اہل بدعت اس کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ اللہ اپنی ذات سے ہمارے ساتھ ہے یعنی اس کی ذات ہر جگہ موجود ہے' جبکہ اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ علم وقدرت کے لحاظ سے ہمارے ساتھ ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر پیر کو روزہ رکھتے تھے' میلادی مولوی اس کا مطلب بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ ﷺ ہر پیر اپنی میلاد مناتے تھے' چلو ہم نے مان لیا کہ ہر پیر کو آپ ﷺ اپنی میلاد مناتے تھے' سوال یہ ہے کہ پھر آپ لوگ سال میں ایک بار ہی کیوں مناتے ہیں؟

ایسے ہی ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُواْ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾ (یونس: ۵۸) اہل بدعت اس آیت کریمہ سے عید میلاد النبی ﷺ کی دلیل لیتے ہیں جبکہ نبی اکرم ﷺ نے اس آیۃ کا یہ مفہوم لیا نہ صحابہ وتابعین اور نہ ہی ائمہ کرام اور سلف صالحین نے' اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں۔

(۲) **تعطیل کا معنی**: لغت میں اس کا معنی ہے انکار کرنا۔

اصطلاح میں: اللہ کے اسماء وصفات کا انکار کرنا تعطیل کہلاتا ہے' اس کی تین صورتیں ہیں:

(أ) **کلی تعطیل**: یعنی اللہ کے تمام اسماء وصفات کا یا اللہ کے تمام صفات کا انکار کرنا: یہ الحاد ہے' اور اللہ کو جھٹلانا ہے' جب اللہ رب العالمین نے خود قرآن کریم میں اپنے نام اور صفات کو بیان کیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے اپنی حدیثوں میں اللہ کے نام وصفات کو بیان کیا ہے' تو پھر ہم کون ہوتے ہیں انکار کرنے والے؟ لہذا ایک مسلمان کو تمام نام وصفات پر ایمان لانا ضروری ہے جس طرح صحابہ وتابعین اور سلف صالحین ایمان لائے' نام وصفات کا بالکلیہ انکار کرنا کفر ہے۔

سب سے پہلے جس نے اللہ کے تمام نام وصفات کا انکار کیا وہ جعد بن درہم ہے' وہ کفریہ عقائد کا حامل تھا اس کا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے' اس نے اللہ کے کلام کا انکار کیا' یہ بھی کہتا تھا کہ اللہ نے موسی علیہ السلام سے کلام نہیں کیا' نہ ہی اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا' اس کے کفریہ عقائد کی بناء پر بصرۃ کے امیر خالد بن عبداللہ قسری نے عید الأضحیٰ کے دن سنہ ۱۲۴ھ میں اسے قتل کر دیا' اسی جعد بن درہم سے جہم بن صفوان نے تعطیل یعنی اللہ کے تمام نام وصفات کے انکار کا عقیدہ سیکھا' یہ اصل کوفہ کا رہنے والا تھا' بعد میں خراسان چلا گیا اور وہاں اپنی گمراہیوں کو پھیلانے لگا' اس کا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے' انسان مجبور ہے' اللہ کی ذات ہر جگہ ہے' اسی طرح قیامت سے متعلق ایمان کے تمام مبادیات کا انکار کر دیا جیسے عذاب قبر اور اس کی نعمتوں کا انکار' میزان' پل صراط' اور اللہ کی رؤیت کا انکار' اس کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ جنت وجہنم ختم ہو جائیں گے' وہ ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج وبغاوت کو بھی جائز کہتا تھا' جھمیہ اسی کے ماننے والوں کو کہا جاتا ہے' خراسان کے امیر سلم بن اُحوز نے سنہ ۱۲۸ھ میں اس کو قتل کیا۔ (**عبد الله بن أحمد فی السنة' ابن بطة في الإبانة واللالكائي وسنده صحيح**)

ایک اور فرقہ ہے جس کا نام ہے معتزلہ (عقل پرست) انہوں نے اللہ کے نام کا اثبات تو کیا لیکن اس کے تمام صفات کا مکمل انکار کر دیا۔

معتزلہ کہنے کا سبب: اس کا لغوی معنی ہے الگ ہو جانے والے' سید التابعین حسن بصری رحمہ اللہ کی مجلسوں میں واصل بن عطاء نامی ایک شخص بیٹھا کرتا تھا' ایک دن وہ یہ کہہ کر ان کی مجلس سے نکل گیا کہ مرتکب کبیرۃ یعنی بڑے گناہوں کا ارتکاب کرنے والا دنیا میں **منزلة بين المنزلتين** ہے' یعنی دنیا میں اس کا حکم یہ ہے کہ نہ وہ مسلمان ہے نہ ہی کافر بلکہ دونوں کے درمیان ہے' البتہ آخرت میں وہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہے گا' جب وہ نکل گیا تو حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا اعتزلنا واصل' یعنی واصل ہم سے الگ ہو گیا' اسی وقت سے ان لوگوں کا نام معتزلہ پڑ گیا' عباسی دور میں ان کا بڑا اثر ونفوذ تھا اور یہ مسلک بہت پھیلا ان کے کچھ باطل عقائد یہ ہیں:

ا/ اللہ کی تمام صفات کا انکار: نام کا اثبات کیا لیکن بغیر صفات کے' جیسے اللہ سمیع ہے بغیر سمع کے' علیم ہے بغیر علم کے' قدیر ہے بغیر قدرت کے۔ اسی طرح اللہ کے چہرہ' دونوں ہاتھ' دونوں آنکھیں' اللہ کی انگلیاں' اس کے قدم ان تمام صفات کا انکار کر دیا۔ یہی نہیں اللہ کی تمام صفات خواہ ذاتی ہوں یا فعلی سب کا انکار کر دیا' ذاتی صفات کا مطلب ایسی صفات جو اللہ کی ذات سے کبھی الگ نہیں ہوتیں اور اللہ کی مشیت کے تابع بھی نہیں ہوتیں جیسے علم' قدرت' حیاۃ' چہرہ' اس کے دونوں ہاتھ' اور اس کی انگلیاں وغیرہ اور فعلی صفات کا مطلب ہے جو اللہ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے تابع ہوں' یعنی جب اللہ چاہتا ہے تو کرتا ہے اور جب نہیں چاہتا ہے تو نہیں کرتا ہے' ان صفات کو صفات اختیاریہ بھی کہا جاتا ہے' جیسے آسمان دنیا پر اللہ کا نزول' اللہ کا ضحک (ہنسنا)' غضب (غصہ ہونا) فرح (خوش ہونا)' اللہ کا کلام کرنا وغیرہ وغیرہ' واضح

رہے کہ یہ صفات گرچہ اللہ کی مشیت کے تابع ہیں لیکن اللہ تعالی ان تمام صفات سے ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا' الغرض انہوں نے اللہ کی تمام صفات کا مکمل انکار کردیا۔

۲/ مرتکب کبیرہ (بڑے گناہوں کا مرتکب) آخرت میں مخلد فی النار یعنی ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہے گا لیکن دنیا میں منزلة بين المنزلتين رہے گا نہ مسلمان مانا جائے گا نہ کافر۔ خوارج اور معتزلہ دونوں آخرت میں مرتکب کبیرہ کے تعلق سے متفق ہیں' البتہ دنیا میں اس کا کیا حکم ہوگا میں اس مسئلہ میں دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے خوارج کے یہاں بڑے گناہوں کا مرتکب دنیا میں بھی کافر ہوتا ہے' جبکہ معتزلہ کے یہاں وہ نہ مسلمان ہے نہ کافر دونوں کے درمیان ہے۔ اسی لئے معتزلہ کو مخانیث الخوارج یعنی خوارج کے ہجڑے کہا جاتا ہے۔

۳/ تقدیر کا انکار کیا اور یہ کہا کہ انسان آزاد ہے وہ اپنے افعال کا خالق ہے۔

۴/ ہر چیز میں عقل کو شریعت پر مقدم کرتے ہیں خواہ اس کا تعلق ایمان وغیبیات سے ہو یا عبادات سے' ان کے یہاں عقل ہی معیار ہے' جو چیز عقل پر پوری اترے اسے مانیں گے ورنہ انکار کردیں گے خواہ وہ صحیح حدیث ہی کیوں نہ ہو' یا اس کی غلط تاویل کریں گے جیسے کوئی چیز قرآن کریم میں ہے اور وہ ان کی عقل کے خلاف ہے تو انکار تو نہیں کریں گے البتہ سلف صالحین کے منہج وفہم سے ہٹ کر اس کا غلط معنی بیان کریں گے' اسی لئے انہیں عقل پرست کہا جاتا ہے۔ شیعہ زیدیہ اور اباضیہ انہی عقائد کے حاملین میں سے ہیں۔

۵/ قیامت کے دن اہل جنت کے لئے اللہ کی رؤیت کا انکار کیا۔

۶/ ان کا عقیدہ ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔

دین میں ایمان کے چھ ارکان ہیں' معتزلہ نے ان ارکان کے بجائے دین کے پانچ اصول وضع کئے اور ہر اصل کے اندر ایک غلط معنی چھپا کر رکھا:

پہلا اصول: توحید نام تو بہت پیارا ہے لیکن اس کی آڑ میں جہمیہ کی طرح اللہ کی تمام صفات کا انکار کردیا' اسی لئے ان کو جہمیہ اور معطلہ بھی کہا جاتا ہے' ان کے نزدیک اللہ کے لئے صفات ثابت کرنا اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دینا ہے اسی لئے ان کے یہاں اللہ کے لئے صفات ثابت کرنے والے مشرک ہوتے ہیں' ان کے یہاں صفات کا اثبات تعدد ذات کو مستلزم ہے جبکہ ذات ایک ہی ہے اس لئے وہ تمام صفات کا انکار کرتے ہیں' یہ جہالت کی انتہا ہے ایک شخص کے اندر کئی صفات ہوتی ہیں وہ سنتا بھی ہے کھاتا بھی ہے سوتا بھی ہے بات بھی کرتا ہے تو کیا اس سے تعدد اشخاص لازم آتا ہے ہرگز نہیں۔

دوسرا اصول عدل: اس اصول کی آڑ اور پردے میں تقدیر کا انکار کیا' اسی لئے معتزلہ کو قدریہ بھی کہا جاتا ہے' ان کے نزدیک تقدیر ماننا انسان کو مجبور کرنا ہے اور کسی کو مجبور کرنا ظلم ہے اور اللہ تعالی عدل والا ہے وہ ظلم سے پاک ہے اسی لئے انہوں نے تقدیر کا انکار کردیا اور کہا کہ تقدیر ماننا یہ حریت کے خلاف ہے اور یہ ظلم ہے' ظاہر ہے ان کا قول سراسر غلط ہے تقدیر پر ایمان کا رکن ہے اس کے بغیر کوئی مومن ہو ہی نہیں ہوسکتا' اور اس کا کوئی بھی عمل اللہ کے یہاں قابل قبول نہیں ہوگا' چاہے وہ احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے' اور پھر تقدیر پر ایمان انسان کو مجبور نہیں کرتا کیونکہ انسان کو نہیں معلوم کہ اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ اور تقدیر ظلم نہیں ہے کیونکہ اللہ نے اپنے علم کے مطابق ہر شخص کی تقدیر لکھی' اگر کوئی طالب علم امتحان میں سوالوں کا جواب نہ دے اور ممتحن اسے فیل کردے تو کیا یہ ظلم ہوگا؟ نہیں' بلکہ یہی انصاف ہوگا۔ تقدیر پر ایمان انسان کو حزن وملال' مایوسی' خودکشی' بزدلی' چیخنے چلانے اور گریہ وزاری جیسی قبیح چیزوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

تیسرا اصول: مرتکب کبیرة دنیا میں منزلة بين المنزلتين ہے یعنی نہ کافر نہ مسلمان البتہ آخرت میں مخلد فی النار ہوگا۔

یہ بات بھی کتاب وسنت صحیحہ کے سراسر خلاف ہے' دنیا میں ایمان وعدم ایمان کے لحاظ سے انسان کی دو ہی قسم ہے مسلمان یا کافر جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ کا ارشاد ہے ﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُم مُّؤْمِنٌ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (التغابن:۲) یعنی: اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا' تم میں سے کچھ کافر تو کچھ مومن ہیں اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ دیکھ رہا ہے۔

یہ تیسری قسم نہ مسلمان نہ کافر یہ ان کی ناقص عقل کی ایجاد ہے' حتی کہ منافقین دنیا میں مسلمان کے زمرے ہی میں شمار ہوتے ہیں' البتہ وہ آخرت میں جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں رہیں گے' اور ان کا یہ کہنا کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہوگا یہ قول بھی باطل ہے یہ صرف کافر ومشرک اور منافق کے لئے ہے کہ اگر بغیر توبہ کے مر گئے تو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے' شرک وکفر اور نفاق کے علاوہ بڑے گناہوں کے مرتکب کی توبہ کئے بغیر اگر موت ہوگئی تو اللہ کی مشیت کے تحت ہے چاہے اللہ تعالی

اسے معاف کردے اور شروع ہی سے جنت میں داخل کردے اور چاہے تو معاف نہ کرے اسکے گناہوں کی اسے سزا دے' لیکن سزا کاٹنے کے بعد وہ ضرور جنت میں آئے گا بشرطیکہ اس کی وفات توحید خالص پر ہوئی ہو' شرک پر نہ ہوئی ہو۔

چوتھا اصول: نفاذ الوعد والوعید: اس کا مطلب ہے کہ شریعت میں جس کے بارے میں بھی اللہ کا وعدہ ہے وہ اسے مل کر رہے گا اور جس کے بارے میں وعید ہے وہ بھی اسے مل کر رہے گی' اسی لئے وہ مرتکب کبیرہ کو جہنمی مانتے ہیں۔

ظاہر ہے ان کا یہ اصول غلط اور سلف صالحین کے اصول و منہج کے خلاف ہے' اپنے اس غلط اصول کی بناء پر انہوں نے قرآنی آیات کی غلط تاویل کی اور ان تمام حدیثوں کا انکار کردیا جن میں مرتکب کبیرہ کے لئے شفاعت کا ثبوت ہے یا جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شرک کے علاوہ بڑے گناہوں کا مرتکب اللہ کی مشیت کے تحت ہے' چاہے تو اس کو عذاب دے اور چاہے تو اس کو معاف کردے۔

جن گناہوں کے بارے میں جہنم کی وعید سنائی گئی ہے یا ان اعمال کو کفر قرار دیا گیا ہے علماء سلف نے اس کی کئی توجیہ کی ہے۔

(۱) یہ جہنمیوں اور کفار کے اعمال ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کا مرتکب ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہے گا جیسے بہت سارے کافر مومنین کے بہت سارے اعمال کرتے ہیں جیسے سچ بولنا وعدہ پورا کرنا عدل کرنا وغیرہ لیکن وہ ان اعمال کی وجہ سے مومن نہیں کہلاتے اور نہ ہی جنت کا حقدار بنتے ہیں' اسی طرح کافروں کے کچھ اعمال کرنے سے کوئی کافر نہیں بن جاتا اور نہ ہی جہنم کا حقدار بن جاتا ہے۔

(۲) اگر کوئی ان گناہوں کو حلال سمجھ کر کرتا ہے تو وہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہے گا کیونکہ یہ کفر اعتقادی ہے' ایسا شخص کافر ہوجاتا ہے' یہ عملی کفر نہیں رہ جاتا۔

(۳) ان گناہوں کی سزا یہی ہے' لیکن موانع یعنی رکاوٹوں کی وجہ سے وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے' اللہ پر ایمان اور شرک نہ کرنا جہنم میں جانے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال ہے چوری پر ہاتھ کاٹنا لیکن اگر کوئی مانع آجائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جاتا' جیسے چوری کرنے والا اگر بچہ ہے' یا مجنون ہے' یا زبردستی اس سے چوری کرائی گئی ہے یا چوری کا مال حد نصاب کو نہیں پہونچا' تو یہ سب موانع ہیں جس وجہ سے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔

(۴) جہنم میں ایک لمبی مدت تک رہنا مراد ہے' عربی زبان میں لمبی مدت پر بھی خلود کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

(۵) زجر و توبیخ کے لئے یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں تاکہ کوئی ان کے قریب نہ جائے۔

اسی طرح جن اعمال پر ثواب کا وعدہ ہے کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ وعدہ ان کو مل کر رہے' اگر کوئی شرط مفقود ہوگئی تو وہ ثواب نہیں ملے گا۔ مثال کے طور پر بغیر اخلاص کے نماز پڑھنے والے کے لئے کوئی اجر نہیں ہے۔

پانچواں اصول: امر بالمعروف و نہی عن المنکر: ان کے یہاں پہلے جزء کا مطلب ہے اپنے فاسد و باطل آراء کی نشر و اشاعت اور لوگوں پر ان کو لازم قرار دینا' اسی لئے انہوں نے خلق قرآن کے عقیدہ کو اپنانے پر علماء کو مجبور کیا ان پر زبردستی کی جس نے انکار کیا ان کو مارا پیٹا قتل بھی کیا۔

دوسرے جزء کا مطلب ہے' صحیح احادیث میں انکار منکر کے جو درجات بتائے گئے ہیں ان کا خیال نہ رکھنا اور خوارج کی طرح ظالم امام وقت کے خلاف خروج و بغاوت کرنا۔ (ان کے عقائد کے لئے مطالعہ کیجئے **الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية عبد القاهر بن طاهر البغدادي** ' اور **الفصل في الملل والأهواء والنحل امام ابن حزم**)

پرانے زمانے کے معتزلہ میں سے خلیفہ مامون' بشر المریسی' ابن ابی دواد' قاضی عبد الجبار ہمدانی' زمخشری صاحب الکشاف' جاحظ' وغیرہ ہیں' موجودہ دور میں مصر کے محمد عبدہ' سعد زغلول' لطفی سید' قاسم امین' طہ حسین' فہمی ہویدی' احمد امین' ہندوستان میں سرسید' پاکستان میں اس وقت جاوید غامدی وغیرہ ہیں۔ یہ واضح رہے کہ تمام روافض' معتزلہ ہوتے ہیں۔

(ب) تعطیل کی دوسری قسم ہے اللہ کی کچھ صفات کا اقرار اور اکثر صفات کی بیجا تاویل اور غلط معنی بیان کرنا جو عقل میں آئے اس پر ایمان ہو اور جو عقل میں نہ آئے اس کا غلط معنی بیان کرنا' ظاہر ہے ایسا کرنا بالکل جائز نہیں ہے' کیونکہ اللہ کی بعض صفات پر جس طرح ایمان ہے اسی طرح اس کی ساری صفات پر ایمان ہونا چاہئے خواہ عقل میں آئے یا نہ آئے' کیونکہ ہماری عقل محدود ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان سچ ہے' معتزلہ کی طرح صراحۃ ان لوگوں نے اللہ کی صفات کا انکار نہیں کیا البتہ ان صفات کی غلط توجیہ اور غلط معنی بیان کیا جو بلاشبہ ایک طرح کا انکار کرنا ہی ہے' مثال کے طور پر اللہ کے لئے وجہ یعنی چہرہ ہے' یہ

لوگ اللہ کے لئے اس صفت کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس کا صحیح معنی یعنی چہرہ مراد نہیں لیتے' بلکہ یہ کہتے ہیں کہ وجہ سے مراد اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی ہے 'اسی طرح یہ لوگ اللہ کے لئے ید مانتے ہیں لیکن کہتے ہیں ید کا مطلب ہے اللہ کی قدرت' اسی طرح اللہ کی ایک صفت ہے (مجی ء) آنا' یہ لوگ اس صفت کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن اس کا مطلب اللہ کی ذات کا آنا مراد نہیں لیتے بلکہ یہ کہتے ہیں اس سے مراد اللہ کا حکم آئے گا۔ظاہر ہے اس طرح کا معنی بیان کرنا سلف صالحین کے منہج کے خلاف ہے اور اس صفت کا انکار بھی ہے کیونکہ ان لوگوں نے جو معنی بیان کیا وہ قطعا صحیح نہیں ہے قرآن وسنت صحیحہ کے خلاف ہے' گرچہ ان کے بزعم خویش انہوں نے اپنے اس عمل سے سلف صالحین اور معتزلہ کے بیچ ایک درمیانی راستہ نکالنے کی کوشش کی ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ درمیانی نہیں بلکہ انتہائی غلط اور مسلک سلف سے مکمل ہٹ کر ایک نیا راستہ ہے' یہ راستہ جنہوں نے اپنایا وہ اشاعرہ اور ماتریدیہ کہلائے' یہ لوگ صفات کی غلط توجیہ اور غلط معنی بیان کرتے ہیں جبکہ کچھ صفات کے معانی اللہ کی طرف تفویض کرتے ہیں اس لئے ان پر بھی مفوضہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

اشاعرۃ: اللہ کی صفات میں سات صفات پر ایمان رکھتے ہیں' علم' قدرت' حیات' سمع' بصر' ارادہ' کلام' اور ماتریدیۃ ایک اور صفۃ تکوین کے قائل ہیں یعنی کائنات کو وجود میں لانا اور اس کا نظام چلانا وغیرہ' ان صفات کو صفات معانی اور صفات وجودیہ بھی کہتے ہیں۔

ابوالحسن اشعری: اشاعرہ انہیں کی طرف منسوب ہیں' اشعری عقیدے کے بانی مبانی یہی ہیں' ان کی ولادت سنہ ۲۶۰ھ میں ہوئی چالیس سال تک وہ معتزلی رہے' پھر بعد میں اعتزال کو چھوڑ کر ایک نیا مسلک پیدا کیا جس میں عقل سے اللہ کی سات مذکورہ صفات کا اثبات کیا اور باقی تمام صفات کی غلط تاویل کی' آخر میں اس مسلک کو بھی چھوڑ دیا اور سلف صالحین کے مسلک کو اپنا لیا' اس کے لئے انہوں نے تین کتابیں بھی لکھیں' سنہ ۳۳۲ھ کے آس پاس وفات ہوئی' رحمہ اللہ وغفرلہ' لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کے متبعین ان کے پرانے مسلک ہی پر قائم ہیں' صفات کی غلط تاویل کرتے ہیں اور مرجئہ بھی ہوتے ہیں۔

ابومنصور ماتریدی: (وفات سنہ ۳۳۳ھ) ماترید سمرقند میں ایک محلّہ کا نام تھا اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو ماتریدی کہا جاتا ہے' بہت بڑے متکلم' حاضر جواب' اور فلسفی تھے' ماتریدی عقیدہ کے بانی اور مؤسس ہیں تاریخ میں ان کا بہت کم ذکر ملتا ہے۔

(ج) تعطیل کی تیسری قسم : صفات کو ثابت کرنا لیکن ان کے معانی اللہ کی طرف تفویض کرنا یہ بھی تعطیل ہے یعنی یہ کہنا کہ اللہ کے یدین ہے عینین ہے وجہ ہے لیکن ہم ان کا معنی نہیں جانتے اور ان سے اللہ کی کیا مراد ہے یہ بھی ہم نہیں جانتے' اس کے قائلین کو مفوضہ کہا جاتا ہے یہ معنی کا انکار ہے' یہ کئی وجوہ سے غلط ہے اس لئے کہ اللہ کے نام وصفات حقیقی ہیں اور ان کے معانی ہیں' اور ہم معانی کو جانتے ہیں البتہ کیفیت نہیں جانتے' سلف صالحین اور ان کے متبعین کیفیت کا علم اللہ کی طرف تفویض کرتے ہیں نہ کہ معانی کی۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مفوضہ جہمیہ سے بھی بدتر ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تفویض کا قول اہل بدعت والحاد کے بدترین اقوال میں سے ہے۔

یہ معتدل قول نہیں ہے بلکہ گمراہی ہے جب ہم اللہ کے اسماء وصفات کے معانی کو نہیں جانیں گے تو اللہ کی معرفت کیسے حاصل ہوگی' دوسری بات یدین' عینین' وجہ اور دیگر صفات کے عربی زبان میں معانی ہیں جو اہل لغت جانتے ہیں' لہذا معانی کی تفویض بھی تعطیل ہے' اور یہ قطعا سلف کا طریقہ نہیں ہے یہ سلف پر اہل بدعت کی طرف سے سخت الزام ہے' جس سے وہ پاک اور بری ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: **الاستواء معلوم والکیف مجهول والایمان به واجب والسؤال عنه بدعة**۔ اس طرح کا قول امام مالک کے شیخ امام ربیعہ رحمہ اللہ اسی طرح ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔

یعنی: استواء کا معنی ومطلب معلوم ہے' البتہ اس کی کیفیت مجہول ہے' استواء پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ اللہ کے ہر نام وصفت کا معنی ہم جانتے ہیں البتہ کیفیت نہیں جانتے کیونکہ کیفیت کے بارے میں نہ اللہ عزوجل نے بیان کیا نہ اس کے نبی ﷺ نے اور نہ ہی سلف صالحین نے اور نہ ہی کسی نے اللہ کو دیکھا ہے' اور نہ ہی عقل وتجربہ سے حاصل ہونے والی چیز ہے' ان سب چیزوں کا تعلق غیب سے ہے اور غیب کا اصول ہے ایمان لانا اور تسلیم وتصدیق کرنا۔

قال ابن القیم رحمه الله : (والتعطیل شر من الشرک فان المعطل جاحد للذات أو لکمالها ' وهو جحد لحقیقة الألوهیة '

فان ذاتا لا تسمع ولا تبصر ، ولا تغضب ولا ترضى ، ولا تفعل شيئا ، وليست داخل العالم ولا خارجه ، ولا متصلة بالعالم ولا منفصلة ، ولا فوق ولا تحت ، ولا يمين ولا شمال ، هو والعدم سواء ، والمشرک مقر بالله لکن عبد معه غیره فهو خیر من المعطل للذات والصفات) (مدارج السالکین ۲/ ۴۰۲)

تعطیل (انکار) شرک سے زیادہ سنگین ہے' کیونکہ تعطیل کرنے والا ذات کا یا اس کے کمال کا انکاری ہوتا ہے' جو حقیقت میں الہٰ ہی کا انکار ہوتا ہے' ایسی ذات جو نہ سنے اور نہ دیکھے' نہ غصہ ہو اور نہ راضی' کچھ بھی نہ کرے' نہ کائنات میں ہو نہ اس سے باہر' اور نہ کائنات سے متصل ہو نہ اس سے جدا' نہ اوپر نہ نیچے' نہ دائیں نہ بائیں' تو ایسی ذات عدم ہے (یعنی ایسی ذات کا کوئی وجود ہی نہیں ہے) اس کے بالمقابل مشرک اللہ کے وجود کا اقراری ہوتا ہے البتہ اس کے ساتھ ساتھ دوسرے کی عبادت بھی کرتا ہے' لہٰذا مشرک' ذات وصفات کے انکاری سے بہتر ہوا۔

(۳) **تکییف کا معنی** : اللہ کے نام یا اس کی صفت کی کیفیت بیان کرنا جیسے ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کے دو ہاتھ ہیں' اب کوئی یہ کہے کہ اللہ کے ہاتھ کی کیفیت یہ ہے' اس طرح اللہ کے دونوں ہاتھ ہیں یا جس طرح ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے' اب کوئی یہ کہے کہ آسمان دنیا پر اللہ کے نزول کا طریقہ یہ ہے۔ یا جس طرح ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کی دو حقیقی آنکھیں ہیں' اب کوئی یہ کہے کہ اللہ کی دونوں آنکھوں کی کیفیت یہ ہے' اس طرح کہنا حرام ہے' اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے بلند وبالا ہے' کیونکہ قرآن یا حدیث میں کیفیت نہیں بیان کی گئی ہے۔ قال تعالیٰ ﴿**يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلاً (109) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْماً (110) طه**﴾

یعنی: اس دن سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جس کو رحمٰن کی طرف سے اجازت مل جائے اور اس کی بات سے راضی ہو جائے' جو کچھ ان کے آگے پیچھے ہے اسے اللہ ہی جانتا ہے' لوگ علم سے اس کا احاطہ نہیں کرسکتے۔

(۴) **تمثیل کا معنی** : مماثلت یعنی یہ کہنا کہ اللہ کی صفات ہو بہو مخلوق کی طرح ہے' جیسے کوئی یہ کہے کہ اللہ کے دونوں ہاتھ' انسان کے دونوں ہاتھ جیسے ہیں' یا یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر اسی طرح ہے جیسے ایک بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے' تو ایسا کہنا بالکل حرام ہے۔

(۵) **تشبیہ کا معنی** : کسی چیز سے تشبیہ دینا' یعنی یہ کہنا کہ اللہ کی صفات مخلوق کی ہو بہو تو نہیں البتہ کچھ چیزوں میں مشابہت رکھتی ہیں۔ یہ عقیدہ بھی باطل ہے کیونکہ خالق اور مخلوق کے درمیان صرف نام میں مطابقت ومشابہت ہے البتہ کیفیت اور مدلول میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ جیسے جنت کے سارے پھلوں کے نام وہی ہوں گے جو دنیا میں ہیں یہ صرف نام میں مطابقت ہوگی البتہ ذائقہ' حجم اور خوشبو وغیرہ میں کوئی مشابہت نہیں ہوگی۔

تشبیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مخلوق کو خالق سے تشبیہ دینا یعنی مخلوق کے مقام کو اونچا کر دینا اور اس کو اللہ کی خصوصیات میں سے کچھ دے دینا جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ سے تشبیہ دی' انہیں اللہ کے برابر کر دیا' کفار ومشرکین نے اپنے معبودوں کو اللہ کے برابر کر دیا' یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کے برابر قرار دیا اسی طرح یہ کہنا یا عقیدہ رکھنا کہ نبی دنیا وآخرت کا مالک ہوتا ہے' امام ہر چیز جانتا ہے' ولی ہر چیز پر قادر ہے' عالم الغیب ہے کان وما یکون کی خبر رکھتا ہے' یہ کھلا ہوا شرک وکفر ہے۔

(۲) خالق کو مخلوق سے تشبیہ دینا یعنی یہ کہنا کہ اللہ کے ہاتھ ہمارے ہاتھ جیسے ہیں' اللہ کی آنکھیں ہماری آنکھوں جیسی ہیں۔ دونوں کفر ہیں اور ہر تشبیہ اور تمثیل کا عقیدہ رکھنے والا صفات کا منکر ہوتا ہے اسی طرح صفات کا منکر تمثیل اور تشبیہ کا عقیدہ رکھنے والا ہوتا ہے۔ **فان المعطل لم یفهم من صفات الله الا ما یلیق بالمخلوق فأراد بزعمه الفاسد تنزیهه عن ذلک فوقع فی التعطیل ، فشبه أولا وعطل ثانیا ، والمشبه عطل الصفة التی تلیق بالله ووصفه بصفات المخلوق فعطل أولا وشبهه ثانیا .**

معطل (منکر صفات) پہلے وہ اللہ کی صفات کو مخلوق سے تشبیہ دیتا ہے کیونکہ اس کو یہی سمجھ میں آتا ہے پھر اللہ کی تنزیہ و پاکی میں انکار کر بیٹھتا ہے' لہٰذا وہ پہلے تشبیہ دیتا ہے پھر انکار کرتا ہے' اور اللہ کی صفات کو مخلوق سے تشبیہ دینے والا پہلے اللہ کی صفات جو اللہ کے شایان شان ہیں ان کا انکار کرتا ہے پھر مخلوق کی صفات سے تشبیہ دیتا ہے۔

ظاہر ہے اس طرح کی باتیں حرام اور سلف صالحین کے عقیدہ ومنہج کے یکسر خلاف ہیں' کیونکہ کسی بشر نے بھی اللہ کو نہیں دیکھا ہے تو پھر کیسے اس کی کیفیت یا

اس کی تشبیہ دی جاسکتی ہے٬اسی طرح قرآن وحدیث میں اللہ کے صفات کی نہ کہیں کیفیت بیان کی گئی ہے اور نہ ہی ان کی تشبیہ دی گئی ہے۔

امام بخاری کے شیخ نعیم بن حماد الخزاعی فرماتے ہیں: **من شبه الله بخلقه فقد کفر ومن أنکر ما وصف به نفسه فقد کفر ، ولیس فیما وصف الله به نفسه ولا رسوله تشبیه (الإمام اللالکائی فی شرح السنة ، والإمام الذهبی فی العلو ، قال الشیخ الألبانی: وهذا اسناده صحیح رجاله ثقات معروفون مختصر العلو ص ۱۸۴)**

جس نے مخلوق سے اللہ کی تشبیہ دی اس نے کفر کیا٬ جس نے اللہ کی صفات کا انکار کیا اس نے کفر کیا٬ اللہ نے جو اپنی صفات بیان کیا ہے یا اس کے رسول نے بیان کیا اس میں کوئی تشبیہ نہیں ہے۔

سلف صالحین کے یہاں تشبیہ اور تمثیل دونوں ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

(٦) **تأویل کا معنی**: بیان کرنا تفسیر کرنا اس کی دو قسمیں ہیں:

۱/ مقبول تأویل: یعنی کسی صفت کا وہ مطلب اور معنی بیان کرنا جو قرآن وسنت٬ اور سلف صالحین سے ثابت ہو جیسے **(للذین أحسنوا الحسنی وزیادة)** اس آیت میں (زیادة) سے مراد اللہ کا دیدار ہے٬ **(وسع کرسیه السماوات والأرض)** کرسی سے مراد اللہ کے دونوں قدم رکھنے کی جگہ ہے۔

۲/ باطل تاویل: یعنی ایسا معنی بیان کرنا جو کتاب وسنت اور سلف صالحین کے اقوال وتفاسیر کے خلاف ہو٬ جیسے ید کی تاویل قدرت سے کرنا٬ یدین سے نعمت یا قدرت مراد لینا٬ اسی طرح (الی ربها ناظرة) کا معنی بیان کرنا کہ اپنے رب کی نعمت کا انتظار کرنے والے ہوں گے یہ قرآن وسنت سے ہٹ کر باطل تاویل ہے٬ اسی کا دوسرا نام تحریف ہے٬ یہ اہل بدعت کا سب سے بڑا ہتھیار رہے وہ قرآن وسنت کو تو بدلنے سے رہے البتہ دونوں کی غلط تاویل کا راستہ ضرور نکال لیا٬ تا کہ اپنے متبعین اور خود اپنے آپ کو دھوکہ دے سکیں۔

توحید اسماء وصفات کے باب میں یہ قول: **الاستواء معلوم والکیف مجهول والإیمان به والسؤال عنه بدعة (امام مالک وشیخه ربیعة وروی عن أم سلمة)** قاعدہ اور اساس کی حیثیت رکھتا ہے٬ یہ ہمیشہ ہماری نظروں کے سامنے رہنا چاہئے٬ احکام ومسائل میں صحابہ کرام کے مابین اختلاف ہوا لیکن ایمان وعقائد٬ غیبیات اور آیات صفات میں کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ اللہ تعالی ہم سب کو سلف صالحین کے عقیدہ ومنہج پر قائم رکھے آمین۔

ختم شد